نقد و استدراک

قرآن میں عورت کی شخصیت

پروفیسر خورشید عالم

جناب مدیر صاحب سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں نے اپنی کتاب 'لغات قرآن اور عورت کی شخصیت' اس امید پر بھیجی تھی کہ آپ کا سہ ماہی رسالہ خالص علمی رسالہ ہے، کوئی صاحبِ علم اس کتاب پر تبصرہ کرے گا تو مجھ کو مستفیض ہونے کا موقع ملے گا۔ مذکورہ سہ ماہی کے اکتوبر۔دسمبر۲۰۱۲ء کے شمارہ میں میری کتاب پر محمد رضی الاسلام ندوی صاحب کا تبصرہ شائع ہوا ہے۔ اس تبصرہ کے لیے شکر گزار ہوں۔ اس سلسلہ میں درج ذیل گزارشات کرنا چاہتا ہوں:

فاضل تبصرہ نگار نے چھوٹتے ہی مغرب پرستوں کے افکار پر ایک پیرا داغ کر مجھ پر بھی وہی ٹھپہ لگا دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب کوئی کسی کے بارے میں اپنا ذہن بنا لے تو پھر وہ اس بند ذہن کی وجہ سے نہ کتاب سے انصاف کر سکتا ہے، نہ کتاب کے لکھنے والے سے۔ مغرب پرستی کا الزام اس بات کی دلیل ہے کہ کہنے والے کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ مغرب پرستی کے الزام کے جواب میں میں بھی روایت پرستی اور ظلمت پسندی کا لیبل لگا سکتا ہوں، مگر یہ بات علمی اسلوب کے منافی ہے۔ دلیل کا جواب دلیل سے دیا جاتا ہے۔

تبصرہ نگار کا ارشاد ہے کہ یہ کتاب کہنے کو تو لغات قرآن ہے، لیکن حقیقت میں اس کا فوکس عورت اور مرد کی مساوات پر ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آئی کہ محترم تبصرہ نگار کو یہ طنزیہ عبارت لکھنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ میں نے تو واضح طور پر یہ عنوان دیا ہے: 'لغات قرآن اور

عورت کی شخصیت'۔ اطلاع کے لیے عرض کرتا چلوں کہ لغت کی روشنی میں جو رائے قائم کی جاتی ہے اس میں کھینچ تان کرنے کی قطعی گنجائش نہیں ہوتی اور پھر لغت بھی قرآن کی۔ ہاں اگر میں لغات قرآن کا عنوان لکھ کر کتاب کے اندر خواتین کے بارے میں رائے دینا شروع کر دیتا تو مجھے مورد الزام گردانا جاتا۔ تبصرہ کے آخر میں محترم لکھتے ہیں کہ کتاب کا ایک عیب مضامین کی تکرار ہے۔ گویا وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ کتاب کے سب عیوب میں سے ایک عیب یہ ہے۔ لگتا ہے کہ وہ تبصرہ نہیں کر رہے، بلکہ عیب گیری کر رہے ہیں۔ بند ذہن کے ساتھ انسان اور کر بھی کیا سکتا ہے؟ چھ سو صفحے کی اس کتاب میں محترم تبصرہ نگار کو عیب ہی عیب نظر آئے ہیں، کوئی خوبی نظر نہیں آئی ہے۔ امام شافعی نے سچ کہا ہے ؎

وعین الرضا عن کلّ عیب کلیلة

ولکن عین السخط تُبدی المساویا

زیر نظر کتاب کا لب لباب یہ ہے کہ عورت بھی مرد کی طرح انسان ہے۔ قرآن حکیم نے انسان کی جو خوبیاں اور خامیاں گنوائی ہیں وہ دونوں میں مساویانہ پائی جاتی ہیں۔ خالق کائنات نے انسانی ڈھانچہ بنانے کے بعد اس میں اپنی روح پھونکی۔ (نفخۂ الٰہی کا بیان میں نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۰۴ سے لے کر ۲۰۶ میں قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے)۔ اللہ نے اپنی روح جس طرح مرد میں پھونکی بالکل اسی طرح عورت میں بھی پھونکی۔ نفخۂ الٰہی سے مراد ملکوتی اور حیوانی صفات میں اعتدال ہے۔ عام الفاظ میں ہم اسے استعداد اور صلاحیت سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ یعنی ارضی و سماوی صلاحیت جو مرد میں ہے وہی صلاحیت اور استعداد عورت میں بھی ہے۔ دونوں کو اللہ نے عزت بخشی اور دونوں کو اشرف المخلوقات ٹھہرایا۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائی کے لیے دونوں مکلّف ہوئے اور دونوں جزا و سزا کے سزاوار۔ مرد عورت کا زوج ہے اور عورت مرد کی زوج۔ دونوں ایک دوسرے کا لباس ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے بغیر نامکمل ہیں۔ تہذیب و تمدن میں دونوں شانہ بشانہ شریک ہیں۔ دونوں مستقل شخصیت کے مالک اور صاحب اختیار ہیں، کوئی بھی تابع مہمل نہیں۔ یہ سوچ کہ مرد حکم چلانے کے لیے ہے اور عورت حکم ماننے کے لیے، قطعی غلط ہے۔ قرآن نے میاں بیوی کو حاکم و محکوم قرار نہیں دیا،

بلکہ ساتھی اور شریک ٹھہرایا ہے۔ اس لیے زوج کا بلیغ لفظ دونوں کے لیے استعمال کیا ہے۔ اس لفظ میں جو یگانگت، ہم آہنگی اور پیوستگی پائی جاتی ہے وہ واضح ہے، اس لیے قرآن نے بیوی کے لیے صاحبہ کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔ وہ دونوں مل جل کر باہمی رضا مندی (عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا) اور باہمی مشورے (وَتَشَاوُرٍ) سے زندگی گزاریں گے، یہی قرآن کا حکم ہے۔ قرآن نے رنگ، نسل اور جنس کو فضیلت کا معیار قرار نہیں دیا، بلکہ کہا ہے: اِنَّ اَكْـرَمَـكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔

مدیر محترم! آپ خدا لگتی کہیں، ان میں سے کس بات پر آپ مغرب پرستی کا لیبل چسپاں کریں گے؟ میں نے کوئی بات حوالے کے بغیر نہیں کہی۔ تبصرہ نگار نے مجھے تو مطعون کیا ہے، مگر حوالوں میں میں نے جن اہل علم کا نام لیا ہے ان کے بارے میں کچھ کہنے کی جسارت نہ کر سکے۔ کیا وہ سب مغرب پرست ہیں؟

کتاب کی دو باتوں کی طرف اشارہ کر کے فاضل تبصرہ نگار نے ان کو نامعقول کہا ہے:

ایک یہ کہ ہر صنف کے وجود میں مردانہ اور زنانہ دونوں خصوصیتیں پائی جاتی ہیں۔ جس بات کی انسان کو سمجھ نہ آئے، ضروری نہیں کہ وہ نامعقول ہو۔ میری کتاب میں سے جس عبارت کو کاٹ کر تبصرے میں پیش کیا گیا ہے وہاں میں نے عباس محمود العقاد کا حوالہ دیا ہے۔ انھوں نے جنگ حنین کی مثال دی ہے، جس میں دس پندرہ خواتین جنگ میں شریک ہوئیں۔ ان میں سے چار خواتین اُم سلیم، اُم عمارہ، اُم سلیط اور اُم حارث شمشیر بدست نبی کریم ﷺ کے اردگرد ڈٹی رہیں، جب کہ مرد بھاگ گئے تھے۔ کیا یہ بات نامعقول ہے؟ کم از کم فاضل محترم قرآن کی اس آیت کی طرف دھیان دیتے۔ اللہ کا ارشاد ہے: اِنَّـا خَـلَقْنَـا الْاِنْسَـانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ (الدھر:۲) ''بے شک ہم نے انسان کو عورت اور مرد کے ملے جلے نطفے سے پیدا کیا''، یعنی اس نطفے سے جس میں مخلوط potentialities پائی جاتی ہیں۔ 'امشاج' سے مراد وہ پوشیدہ موروثی صفات ہیں جن کو ہم جین (genes) کہتے ہیں، یعنی موروثی وحدتیں جن میں جنس انسانی کی ممیّز صفات پائی جاتی ہیں۔ جس بات کا پتہ نہ ہو اسے نامعقول کہنا مناسب نہیں۔ جو بات میں نے کہی ہے اس کا زندہ ثبوت یہ ہے کہ سرجری سے

جنس تبدیل ہو جاتی ہے۔

دوسری بات، جسے محترم تبصرہ نگار نے نامعقول کہا ہے، یہ ہے کہ اگر دنیا کی نصف آبادی کو زندگی کے تمام میدانوں میں شریک نہ کیا جائے تو اقتصادی ترقی کیسے ہو گی؟ کوئی انسان بہ قائمی ہوش وحواس اس بات کو نامعقول نہیں کہہ سکتا۔ میری جس بات کو مضحکہ خیز کہا گیا ہے وہ فاضل محترم کو یا تو سمجھ میں نہیں آئی یا انہوں نے سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ مطلب یہ تھا کہ بفرض محال اگر سب مرد ختم ہو جائیں اور عورتیں باقی رہ جائیں تو بقائے نوع کا سلسلہ ختم نہ ہو گا، کیونکہ ان میں سے کچھ عورتیں حاملہ ہوں گی، جن سے نسل چل نکلے گی۔ بات دراصل عورت کی تخلیقی قوت کی ہے، جو خالق کائنات نے اپنے بعد عورت کو عطا کی ہے۔ بات سمجھنے کے بجائے تبصرہ نگار نے نطفہ اور بیضہ کا قصہ چھیڑ دیا، جو سب لوگ جانتے ہیں۔ تبصرہ نگار نے نطفہ کے لیے sperm اور بیضہ کے لیے ovum محض رعب ڈالنے کے لیے انگریزی الفاظ استعمال کیے ہیں۔ کیا یہ مغرب پرستی کے زمرے میں نہیں آتا؟

حضرت سلیمانؑ سے ملکہ بلقیس کی شادی کا ذکر قرآن میں نہیں۔ میں نے اس سلسلہ میں امام بغوی، امام قرطبی، امام شوکانی اور محمود آلوسی کا حوالہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے روایات بیان کی ہیں کہ یہ شادی ہو گئی تھی۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے بھی یہی بات کہی ہے۔ آخر میں نے عبداللہ یوسف علی کا حوالہ دیا ہے کہ جس نے حبشہ کی حکومت کی بنیاد رکھی وہ ان دونوں کا بیٹا تھا۔ تبصرہ نگار کہتے ہیں کہ یہ اسرائیلیات ہیں۔ اسرائیلیات کے بارے میں اصول یہ ہے کہ اگر وہ کتاب وسنت سے متصادم ہوں تو ان کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ چونکہ کتاب وسنت میں کوئی بات ان روایات کے خلاف نہیں، اس لیے یہ قابل قبول ہیں اور ان کی تاریخی اہمیت ہے۔

فاضل تبصرہ نگار نے عورت کی نبوت پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ قرآن میں کئی مقامات پر صراحت ہے کہ اللہ نے صرف مردوں کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ میں نے لفظ 'رجل' پر اپنی کتاب کے صفحہ ۲۱۴ سے ۲۲۳ تک تفصیل سے بحث کی ہے کہ ان آیات میں لفظ رجل بشر کے معنٰی میں آیا ہے، کیونکہ اصل اعتراض یہ تھا کہ رسول بشر نہیں، کوئی فرشتہ ہونا

چاہیے۔ مرد اور عورت کا کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔ قرآن کی جتنی آیات میں لفظ رجل آیا ہے، میں نے ان کو یکجا کر کے ان پر بحث کی ہے۔ میں نے یہ بھی کہا ہے کہ عورت کو رسول بنا کر نہیں بھیجا گیا، البتہ نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ یہی بات امام ابن حزمؒ امام قرطبی اور امام اشعری نے کہی ہے۔ تبصرہ نگاران پر اعتراض کرنے سے کیوں ڈرتے ہیں؟ 'نفس واحدہ' کے بارے میں تبصرہ نگار کا قول ہے کہ میں نے دور از کار تاویل کی ہے۔ نفس واحدہ سے مراد آدم نہیں، یہ بات مفتی محمد عبدہ اور مولانا ابوالکلام آزاد نے کہی ہے، کیونکہ **وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِيۡرًا وَّنِسَآءً** نکرہ کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ اگر مراد آدم ہوتے تو یوں ہوتا: **بث منهما جميع الرجال والنساء**۔ فاضل تبصرہ نگار کو دور از کار تاویل کا طعنہ مفتی محمد عبدہ اور مولانا آزاد کو دینا چاہیے تھا۔ اس کے علاوہ مولانا اصلاحی نے بھی نفس واحدہ سے مراد ایک جنس لیا ہے۔ سورۃ لقمان کی آیت نمبر ۲۸ میں کسی مفسر نے نفس واحدہ سے مراد آدم نہیں لیا۔ لگتا ہے کہ تبصرہ نگار حوا کی آدم کی پسلی سے تخلیق کی اسرائیلی روایت کو تسلیم کرتے ہیں، کیونکہ وہ مرد کی فضیلت ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

نفس واحدہ سے مراد آدم نہیں، میں نے اس کے لیے قرآن کے دو حوالے دیے ہیں: ایک سورۃ البقرۃ کا اور دوسرا سورۃ الاعراف کا۔ تبصرہ نگار کا قول ہے کہ دونوں حوالے غلط ہیں۔ سورۃ البقرۃ میں ہے کہ جب اللہ نے کہا کہ میں زمین پر خلیفہ بنانا چاہتا ہوں تو فرشتوں نے اعتراض کیا کہ تو زمین میں اسے خلیفہ بنانا چاہتا ہے جو خون بہائے گا۔ یعنی فرشتوں کو شبہ تھا کہ انسان زمین میں خون بہاتا ہے، ورنہ وہ اعتراض نہ کرتے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آدم سے پہلے بھی دنیا میں انسان موجود تھے۔ امام باقر کا قول ہے کہ اللہ نے ہمارے باپ آدم سے پہلے تیس آدم پیدا کیے۔ شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ میں لکھا ہے کہ آدم سے چالیس ہزار سال پہلے انسان موجود تھا۔

سورۃ الاعراف کی آیت نمبر ۱۸۹ اس بات کی تردید کرتی ہے کہ نفس واحدہ سے مراد آدم ہوں۔ اللہ کا ارشاد ہے کہ ''وہ اللہ ایسا ہے جس نے تم کو نفس واحدہ سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا، تاکہ وہ اپنے اس جوڑے سے سکون حاصل کرے۔ پس جب اس نے اس

جوڑے سے قربت کی تو جوڑے کو ہلکا سا حمل رہ گیا تو وہ اسے لیے چلتی پھرتی رہی، پھر جب وہ بوجھل ہوگئی تو دونوں نے اللہ سے، جو ان کا مالک ہے، دعا کی کہ اگر تو نے ہمیں صحیح سالم اولاد دے دی تو ہم شکر گزار ہوں گے۔ سو جب اللہ نے ان دونوں کو صحیح سالم اولاد دے دی تو اللہ کی دی ہوئی چیز میں وہ دونوں اللہ کا شریک ٹھہرانے لگے''۔ اگر نفس واحدہ سے مراد آدم اور جوڑے سے مراد حوا لیے جائیں تو سب افعال کے فاعل وہ دونوں تصور ہوں گے اور سب ضمیریں ان کی طرف لوٹیں گی۔ یہ ناممکن ہے کہ ابتدائی حصے کا فاعل آدم اور حوا کو مانا جائے اور بعد کے حصے کا فاعل عام میاں بیوی کو۔ اگر فاعل آدم اور حوا کو قرار دیا جائے تو شرک بھی ان کی طرف منسوب ہوگا، جس کا تصور شاید تبصرہ نگار تو کرسکتا ہے کوئی مسلمان نہیں کرسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ قفّال جیسا صاحب بصیرت نفس واحدہ سے مراد آدم نہیں لیتا اور یہی وجہ ہے کہ مولانا اصلاحی نے ڈاکٹر رفیع الدین کا حوالہ دیا کہ نفس واحدہ کا ترجمہ جرثومہ حیات (life cell) ہے۔ محترم تبصرہ نگار کو سوچ سمجھ کر 'غلط' کا لفظ استعمال کرنا چاہیے تھا۔

حوران بہشت کے سلسلہ میں محترم تبصرہ نگار نے میرے نقطۂ نظر کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ میں صرف ان سے ایک سوال کرتا ہوں: کیا جنت کی نعمتیں صرف مردوں ہی کے لیے ہیں؟ قرآن اس کی تردید کرتا ہے۔ نیک مرد اور نیک عورتیں دونوں جنت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے۔ یہ نعمتیں انسان کی روح کے لیے لذت و سرور کا باعث ہوں گی۔ مناظر قدرت، جیسے بہتے ہوئے چشمے اور گھنے سایہ دار اور پھل دار درخت جنت کی نعمتوں میں شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انسان کی شکل میں اللہ نے جس کو انسان کے لیے مرغوب بنایا ہے وہ حور و غلمان ہیں۔ یہ ذکر بطور مثال ہے، کیونکہ خوبصورتی میں اگر کسی چیز کی مثال دینی ہو تو وہ عورت سے دی جاتی ہے۔ اس کی وضاحت اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ سے کی گئی ہے کہ وہ پاک باز ساتھی ہوں گے۔ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ۔ یہ جنت میں تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ یعنی نیک مردوں کے لیے باصفا عورتیں اور نیک عورتوں کے لیے باصفا مرد۔ یہ کیسے ہوں گے؟ انہیں اس دنیا پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، جس طرح جنت کی باقی نعمتوں کو اس دنیا پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ لغت کی رو سے حور احور یعنی مذکر اور حوراء یعنی مؤنث کی جمع ہے۔

اس لغوی حقیقت پر تبصرہ نگار کو اعتراض ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں؟ جہاں مؤنث کی صفت کے ساتھ تعین ہے میں نے اس کا کب انکار کیا ہے؟

جاتے جاتے محترم تبصرہ نگار نے مجھ پر قرآن کے استخفاف کا بہت بڑا الزام لگایا ہے۔ اللہ انہیں اس بدظنی پر معاف فرمائے، آمین! عبد او رامۃ کا لفظ اگر خالق کائنات استعمال کرے تو بالکل درست ہے، لیکن اگر اسے انسان استعمال کرے تو وہ توہین آمیز ہے۔ میں نے فتیٰ اور فتاۃ کے استعمال کی حکمت بتائی ہے کہ ان الفاظ سے لونڈیوں اور غلاموں کی عزت نفس بحال ہوئی ہے، اس لیے نبی کریم ﷺ عبد اور امۃ کی جگہ فتیٰ اور فتاۃ کا لفظ خود بھی استعمال فرماتے اور دوسروں کو بھی اس کا حکم دیتے۔ ساری بحث سے کاٹ کر ایک ترکیب کی بنیاد پر نکتہ چینی علمی دیانت کے منافی ہے۔

لفظ رفث کے استعمال کے سلسلہ میں محترم تبصرہ نگار نے وہی غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ میری عبارت یہ ہے: ''سوال یہ ہے کہ ایسے شائستہ الفاظ کا استعمال کرنے کے بعد یہاں رفث جیسا غیر شائستہ لفظ کیوں استعمال کیا گیا ہے''۔ اس لفظ کے معنی میں عورت اور مرد کی مجامعت کا ذکر ہے۔ قرآن عام طور پر جنسی معاملات کے لیے خوب صورت اشاروں اور کنایوں کو استعمال کرتا ہے، مگر یہاں یہ لفظ کیوں استعمال کیا گیا جو صراحتاً جنسی تعلقات پر دلالت کرتا ہے؟ میں نے اس کی وجہ بیان کی ہے کہ رمضان اور حج کے دوران اس فعل کی قباحت بیان کرنے کے لیے یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس سے قرآن کے استخفاف کا کون سا پہلو نکلتا ہے؟ میری حسرت ہی رہی کہ فاضل تبصرہ نگار کوئی کام کی بات کہتے، جو علمی طور پر میرے لیے مفید ہوتی۔ کاش وہ کتاب کی کسی خوبی کو بھی بتا دیتے، مگر انہوں نے تو بند ذہن سے تبصرہ کیا ہے۔

مدیر محترم! مجھے امید ہے کہ آپ اپنے موقر مجلّہ میں میری ان گزارشات کو بھی شائع فرمائیں گے، تاکہ ریکارڈ درست رہے اور قاری کے سامنے صحیح نقطۂ نظر آجائے۔ شکریہ۔